9 قومی تحریک: 1870 کی دہائی سے 1947 تک

شکل 1 – بھارت چھوڑو تحریک کے دوران مظاہرین پر پولیس کا آنسو گیس کا استعمال

پچھلے ابواب میں، ہم مندرجہ ذیل باتوں کے بارے میں پڑھ چکے ہیں:

- ریاستوں پر برطانیہ کی فتح اور قبضہ
- نئے قوانین اور انتظامی اداروں کی شروعات
- کسانوں اور قبائلی لوگوں کی زندگی میں تبدیلیاں
- انیسویں صدی میں تعلیمی تبدیلیاں
- عورتوں کی حالت کے بارے میں بحث ومباحثے
- ذات پات کے لیے چیلنج
- سماجی اور مذہبی اصلاحات
- 1857 کا انقلاب اور اس کے اثرات
- دستکاری کا زوال اور صنعتوں کا فروغ

مندرجہ بالا موضوعات کے بارے میں آپ نے جو کچھ پڑھا اس کی بنیاد پر کیا آپ

سمجھتے ہیں کہ ہندوستانی برطانوی حکومت سے بیزار تھے؟ اگر ایسا تھا تو مختلف گروہ اور طبقات کس طرح غیر مطمئن تھے؟

قوم پرستی کا ظہور

اوپر بیان کیے گئے واقعات نے لوگوں کو یہ اہم سوال پوچھنے پر مجبور کر دیا کہ یہ ملک ہندوستان ہے کیا؟ اور کس کے لیے ہے؟ اس سوال کا جو جواب بتدریج ملا وہ یہ تھا: ہندوستان کا مطلب ہے ہندوستان کے لوگ چاہے وہ کسی طبقے، رنگ، ذات، نسل، زبان یا جنس سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ ملک اور اس کے وسائل اور اس کے نظام یہاں رہنے والے تمام لوگوں کے لیے ہیں۔ اس جواب سے یہ بیداری آئی کہ ہندوستان کے وسائل اور اس ملک کے لوگوں کی زندگی پر ابھی برطانوی لوگوں کا اختیار ہے اور جب تک یہ اختیار ختم نہیں ہوگا ہندوستان ہندوستانیوں کا نہیں ہوسکتا۔

وہ سیاسی انجمنیں جو 1850 کے بعد اور خاص طور پر 1870 اور 1880 کی دہائیوں میں قائم ہوئیں انھوں نے خاص طور پر اس بیداری کا احساس دلایا۔ ان میں سے اکثر انجمنیں انگریزی داں پیشہ ور جیسے وکلا کی زیر قیادت تھیں۔ ان میں پونا سارو جنک سبھا، انڈین ایسوسی ایشن، مدراس مہاجن سبھا، ممبئی پریزیڈنسی ایسوسی ایشن اور انڈین نیشنل کانگریس بہت اہم تھیں۔

''پونا سارو جنک سبھا'' کے نام پر غور کیجیے۔ سارو جنک کا لفظی مفہوم ہے ''سب کا'' یا سب کے لیے (سارو=سب + جنك=لوگوں کا)۔ اگر چہ ان میں سے بہت سی انجمنیں ملک کے الگ الگ حصوں میں کام کرتی تھیں لیکن ان کے مقاصد کسی خاص خطے یا کسی خاص فرقے یا طبقے کے لیے نہیں تھے بلکہ ہندوستان کے سبھی لوگوں کے لیے تھے۔ ان کے کام کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ **اقتدار اعلیٰ** (Sovereignty) ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہو۔ اقتدار لوگوں کا ہو یہی چیز جدید شعور کی بیداری اور قوم پرستی کی کلیدی خصوصیت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ان کا یقین اس بات پر تھا کہ ہندوستانی لوگ اپنے فیصلے خود لینے کے لیے با اختیار ہوں۔

اقتدار اعلیٰ – کسی باہری دخل اندازی کے بغیر آزادانہ کام کرنے کا اختیار

برطانوی حکومت سے بیزاری 1870 اور 1880 کی دہائیوں میں اور شدید ہوگئی۔ 1878 میں آرمس ایکٹ (Arms Act) پاس ہوا جس کے تحت ہندوستانیوں کو اسلحہ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی سال حکومت پر تنقید کرنے والوں کو خاموش رکھنے کے لیے

ورنا کیولر پریس ایکٹ نافذ ہوا۔ اس قانون کے تحت حکومت اب اس بات کا اختیار حاصل ہو گیا کہ اگر اخبارات میں کوئی بات "قابل اعتراض" چھپے تو حکومت اخبار کے تمام اثاثے مع پرنٹنگ پریس کے ضبط کر سکتی ہے۔ 1883 میں حکومت نے البرٹ بل (Ilbert Bill) پیش کرنے کی کوشش کی تو بڑا ہنگامہ ہوا۔ اس بل کے تحت برطانوی نژاد لوگوں کا مقدمہ ہندوستانی نژاد ججوں کی عدالت میں چلایا جا سکتا تھا۔ اس بل کا مقصد ملک میں ہندوستانی اور یورپی ججوں کے درمیان برابری پیدا کرنا تھا۔ لیکن جب انگریزوں نے مخالفت کی اور بل واپس لینے کے لیے حکومت پر زور ڈالا تو ہندوستانی غصے میں بپھر گئے۔ اس واقعہ سے ہندوستان میں اہل برطانیہ کے نسلی تعصّبات کھل کر سامنے آ گئے۔

مبلغ (Publicist) – جو محض معلومات کو مشتہر کر کے، رپورٹیں لکھ کے اور جلسوں میں تقریر کر کے کسی نظریے یا خیال کی تشہیر کرتا ہے

تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی ایک کل ہند تنظیم کی ضرورت 1880 سے ہی محسوس کی جانے لگی تھی لیکن البرٹ بل کے ہنگامے نے اس ضرورت کو اور شدید کر دیا۔ دسمبر 1885 میں جب تمام ملک کے 72 مندوبین بمبئی میں اکٹھا ہوئے تو انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔ شروع میں اس کے اکثر رہنما— دادا بھائی نوروجی، فیروز شاہ مہتہ، بدرالدین طیب جی، ڈبلیو۔ سی۔ بنرجی، سریندر ناتھ بنرجی، رومیش چندر۔ دت اور ایس۔ سبرامنیم ایئر اور دیگر لوگ بمبئی اور کلکتے سے تعلق رکھتے تھے۔ نوروجی جو ایک **مبلغ** اور تاجر تھے اور لندن میں مقیم ہو گئے تھے اور کچھ عرصے تک برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے تھے، انھوں نے نوجوان قوم پرستوں کی رہنمائی کے فرائض انجام دیے۔ ایک ریٹائرڈ برطانوی عہدیدار نے جن کا نام اے۔ او۔ ہیوم تھا مختلف خطوں کے ہندوستانیوں کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

شکل 2 – دادا بھائی نوروجی

نوروجی کی کتاب "ہندوستان میں افلاس اور غیر برطانوی حکومت" میں برطانوی حکومت کے اقتصادی اثرات پر تنقید کی گئی تھی۔

ماخذ 1

کانگریس کے لیے کس نے کیا کہا؟

اخبار دی انڈین میرر نے جنوری 1886 میں لکھا تھا:

بمبئی کی پہلی نیشنل کانگریس.... ہمارے ملک کی آئندہ پارلیمنٹ کی بنیاد ہوگی اور ہمارے اہل وطن کے لیے ناقابل تصور طور پر مفید نتائج کی حامل ہوگی۔

بدرالدین طیب جی نے 1887 میں کانگریس کے صدر کی حیثیت سے کہا تھا:

کانگریس ہندوستان کے کسی ایک طبقے یا فرقے کے نمائندوں کی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ ہندوستان کے تمام مختلف فرقوں کی جماعت ہے۔

ملک کی تشکیل

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ پہلے بیس برسوں میں کانگریس اپنے مقاصد اور طریق کار میں ''اعتدال پسند'' (moderate) تھی۔ اس دوران کانگریس نے حکومت اور انتظامیہ میں کام کرنے والے ہندوستانیوں کے حق میں زبردست آواز اٹھائی۔ اس نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ مجالس قانون ساز (Legislative Councils) کو زیادہ نمائندگی اور زیادہ اختیارات حاصل ہوں اور جن صوبوں میں یہ مجالس نہیں ہیں وہاں ان کی تشکیل کی جائے۔ کانگریس نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ ہندوستانیوں کو حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے یہ مطالبہ کیا کہ سول سروسز کے امتحانات لندن کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بھی منعقد ہوں۔

انتظامیہ کو ہندوستانی بنانے کا مطالبہ دراصل نسل پرستی کے خلاف تحریک کا ایک حصہ تھا کیوں کہ اس وقت اکثر اہم نوکریوں پر سفید فام لوگوں کی اجارہ داری تھی اور برطانوی لوگوں نے عام طور پر یہ فرض کر رکھا تھا کہ ہندوستانیوں کو ذمہ داریوں سے بھری نوکریاں نہیں دی جاسکتیں۔ برطانوی افسران چوں کہ اپنی تنخواہ کا بڑا حصہ اپنے وطن بھیج دیتے تھے اس لیے امید یہ تھی کہ نوکریوں کو ہندوستانی بنانے سے انگلینڈ کو بھیجی جانے والی دولت میں کمی آجائے گی۔ دیگر مطالبات میں عدلیہ کی انتظامیہ سے علاحدگی، آرمس ایکٹ کی منسوخی (Repeal) اور تحریر وتقریر کی آزادی شامل تھے۔

ابتدا میں کانگریس نے بہت سے اقتصادی مسائل اٹھائے۔ اس نے اعلانیہ کہا کہ برطانوی حکومت ہندوستان میں افلاس اور قحط سالی کا سبب ہے۔ زمین کے محصول میں اضافے نے کسانوں اور زمینداروں کو کھوکھلا کر دیا ہے اور ہندوستان سے اناج کی یورپ کو برآمد کے نتیجے میں یہاں اناج کی قلت پیدا ہوگئی ہے۔ کانگریس نے محصول میں کمی، فوجی اخراجات میں کمی اور آبپاشی کے لیے مزید فنڈ کے استعمال کا مطالبہ کیا۔ کانگریس نے نمک ٹیکس، بیرون ملک میں کام کرنے والے ہندوستانیوں کے ساتھ بہتر سلوک اور محکمۂ جنگلات کی مداخلت کی وجہ سے جنگلات میں رہنے والے لوگوں کی مشکلات وغیرہ کے بارے میں تجاویز پاس کیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگرچہ کانگریس تعلیم یافتہ اعلیٰ طبقے کی جماعت تھی لیکن کانگریس نے صرف زمینداروں، صنعت کاروں اور پیشہ وارانہ گروہوں کی ہی بات نہیں کی۔

اعتدال پسند رہنما برطانوی حکومت کی غیر منصفانہ روش کے بارے میں ایک عام

سرگرمی

کانگریس شروع سے ہی تمام ہندوستانیوں کے لیے بولتی اور انھیں کے نام پر سب کچھ کرتی تھی۔ وہ ایسا کیوں کرتی تھی؟

منسوخ کرنا (Repeal) – کسی قانون کو ختم کرنا، کسی بھی قانون کے جواز (validity) کو سرکاری طور پر ختم کرنا

بیداری پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اخبارات شائع کیے، مضامین لکھے اور یہ دکھایا کہ برطانوی حکومت ملک کو اقتصادی بدحالی کی طرف لے جا رہی ہے۔ انھوں نے اپنی تقریروں میں برطانوی حکومت پر تنقید کی اور عوامی رائے کو ہموار کرنے کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں نمائندے بھیجے۔ انھیں اس بات کا احساس تھا کہ برطانوی لوگ آزادی اور انصاف کا احترام کرتے ہیں اور وہ ہندوستانیوں کے جائز مطالبات کو مان لیں گے۔ ضروری یہ تھا کہ مطالبات کی وضاحت کی جائے اور حکومت کو ہندوستانیوں کے احساسات سے باخبر کرایا جائے۔

''آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے''

1890 کی دہائی تک آتے آتے کانگریس کے سیاسی طرز عمل پر ہندوستانیوں نے سوال اٹھانے شروع کر دیے تھے۔ بنگال، مہاراشٹر اور پنجاب میں بپن چندر پال، بال گنگا دھر تلک اور لالہ لاجپت رائے جیسے رہنماؤں نے زیادہ انتہا پسندانہ مقاصد اور ذرائع کی تلاش شروع کر دی تھی۔ انھوں نے اعتدال پسندوں کی ''خوشامدانہ پالیسیوں'' پر تنقید شروع کی اور خود انحصاری نیز تعمیری کاموں کی اہمیت پر زور دیا۔ انھوں نے زور دے کر کہا کہ لوگوں کو حکومت کے ''نیک'' ارادوں پر نہیں بلکہ خود اپنی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ لوگوں کو سوراج (اپنی حکومت) کے لیے جنگ کرنی چاہیے۔ تلک نے یہ نعرہ دیا کہ ''آزادی میرا پیدائشی حق ہے اور میں اسے حاصل کر کے رہوں گا۔''

1905 میں وائسرائے کرزن نے بنگال تقسیم کر دیا۔ اس وقت بنگال برطانوی ہندوستان کا سب سے بڑا صوبہ تھا اور اس میں بہار کے علاوہ اُڑیسہ کے کچھ حصے بھی شامل تھے۔ برطانوی حکومت کا کہنا تھا کہ یہ تقسیم انتظامی سہولتوں کی وجہ سے کی گئی ہے لیکن انتظامی سہولتوں سے کیا مراد تھی؟ اس سے کن لوگوں کو سہولت ملنے والی تھی؟ یہ بات تو بالکل عیاں تھی کہ اس تقسیم کا تعلق افسران اور تاجروں کے مفادات سے تھا۔ غیر بنگالی علاقوں کو صوبہ سے ہٹانے کے بجائے، حکومت نے مشرقی بنگال کو الگ کر کے اس کو آسام کے ساتھ ضم کر دیا۔ غالباً برطانیہ کا مقصد یہ تھا کہ بنگالی سیاست دانوں کے اثرات کو کم کیا جائے اور بنگالی لوگوں کو تقسیم کر دیا جائے۔

بنگال کی تقسیم نے تمام ہندوستان کے لوگوں کو مشتعل کر دیا۔ کانگریس کے گروہوں نے — چاہے وہ انتہا پسند ہوں یا اعتدال پسند — اس تقسیم کی مخالفت کی۔ بڑے بڑے

ماخذ 2

سونے کے حصول کی خواہش

1887 میں ایک اعتدال پسند رہنما دن شا واچا (Dinshaw Wacha) نے نوروجی کو لکھا تھا:

> فیروز شاہ آج کل اپنے کسی ذاتی کام میں مصروف ہیں۔ وہ پہلے سے ہی کافی دولت مند ہیں ...... مسٹر تیلنگ بھی مصروف رہتے ہیں۔ اگر سب سونے کے لیے بھاگ دوڑ میں ایسے ہی مصروف رہے تو میں حیران ہوں کہ ملک کا کام کیسے آگے بڑھے گا؟

سرگرمی

اوپر دی گئی رائے کی روشنی میں کانگریس اپنے آغاز میں کن مسائل سے دوچار تھی؟

شکل 3 – بال گنگا دھر تلک

میز پر جو اخبار پڑا ہے اس پر غور کیجیے یہ ایک مراٹھی اخبار ''کیسری'' ہے۔ جس کے مدیر تلک تھے جو برطانوی حکومت پر سخت تنقید کرنے والوں میں شامل تھے۔

عوامی جلسے اور مظاہرے ہوئے اور عوامی مظاہروں کے نئے نئے طریقے ایجاد ہوئے۔ اب جو جدوجہد شروع ہوئی اسے سودیشی تحریک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ تحریک بنگال میں تو بہت شدید تھی ہی لیکن اس کی گونج ہر جگہ تھی مثلاً آندھرا کے ڈیلٹا تک یہ تحریک وندے ماترم تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔

سودیشی تحریک برطانوی حکومت کی مخالفت کرتی تھی اور اپنی مدد آپ۔ سودیشی صحت، قومی تعلیم اور ہندوستانی زبانوں کے استعمال پر زور دیتی تھی۔ سوراج حاصل کرنے کی اس لڑائی میں انتہا پسند یہ چاہتے تھے کہ اس میں بڑے پیمانے پر لوگ شرکت کریں۔ انھوں نے برطانوی اداروں اور برطانوی سامان کے بائیکاٹ کی بھی حمایت کی۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ برطانوی حکومت کا تختہ پلٹنے کے لیے ''**انقلابی تشدد**'' ضروری ہے۔

بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں کچھ اور اہم واقعات بھی رونما ہوئے۔ مسلمان زمینداروں اور نوابوں کے ایک گروپ نے 1906 کے اندر ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔ لیگ نے بنگال کی تقسیم کی حمایت کی۔ لیگ مسلمانوں کے لیے الگ انتخابی حلقے چاہتی تھی۔ اس مطالبے کو 1909 میں حکومت نے مان لیا۔ کونسلوں میں اب

شکل 4 – سودیشی تحریک کے دوران مظاہروں میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے

2019-20

کچھ سیٹیں ان مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دی گئیں جنھیں مسلمان رائے دہندگان منتخب کرتے۔ اس سے سیاستدانوں کو یہ موقع ہاتھ آیا کہ اپنے مذہبی گروہوں کی تقسیم مذہبی بنیاد پر کر کے اپنے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔

اس دوران 1907 میں کانگریس میں دو گروہ بن گئے۔ اعتدال پسند بائیکاٹ کے مخالف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے طاقت کا استعمال بڑھے گا۔ اس گروہ بندی کے بعد کانگریس پر اعتدال پسندوں کا غلبہ ہو گیا جب کہ تلک کے ہمنوا باہر رہ کر کام کرتے رہے۔ 1915 میں دونوں گروپ ایک ہو گئے۔ اگلے سال کانگریس اور مسلم لیگ نے تاریخی لکھنؤ معاہدہ پر دستخط کیے اور ملک میں نمائندہ حکومت کے لیے ایک ساتھ کام کرنے کا فیصلہ کیا۔

شکل 5 – لالہ لاجپت رائے

پنجاب کے ایک قوم پرست اور اس انتہا پسند گروپ کے ممتاز رکن تھے جو خوشامدانہ سیاست کے سخت خلاف تھا۔ وہ آریہ سماج کے بھی ایک فعال رکن تھے۔

عوامی قوم پرستی کا ارتقا

1919 کے بعد برطانوی راج کے خلاف جو جدوجہد تھی وہ بتدریج ایک عوامی تحریک بن گئی جس میں کسان، قبائل، طلبا، بڑی تعداد میں عورتیں اور کبھی کبھی فیکٹری مزدور بھی شامل ہو گئے۔ 1920 کی دہائی میں تاجر طبقہ بھی کانگریس کی حمایت کرنے لگا تھا۔ ایسا کیوں ہوا؟

پہلی جنگ عظیم نے ہندوستان کی سیاسی اور اقتصادی صورت حال بدل دی تھی۔ اس جنگ کے نتیجہ میں حکومت ہند کا دفاعی خرچ بہت بڑھ گیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حکومت نے انفرادی آمدنی اور تاجروں کے منافع پر ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا۔ فوجی اخراجات اور فوجی رسد کی مانگ بڑھنے سے اشیا کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہو گیا اور نتیجتاً عام آدمی کی مشکلات بڑھ گئیں۔ اس کے برخلاف تجارتی گروہوں نے جنگ سے زبردست منافع کمایا۔ جیسا کہ آپ ساتویں باب میں پڑھ چکے ہیں کہ جنگ کے نتیجے میں صنعتی سامان (جوٹ کے تھیلے، کپڑا اور ریلوں کی پٹریاں) کی مانگ میں اضافہ ہو گیا اور بیرونی ملکوں سے ہندوستان میں درآمد کم ہو گئی۔ اس طرح جنگ کے دوران ہندوستانی صنعتوں کی توسیع ہوئی اور ہندوستانی صنعتی گروپ ترقی کے زیادہ مواقع کی مانگ کرنے لگے۔

جنگ کی وجہ سے برطانیہ کو اپنی فوج میں بھی توسیع کرنی پڑی۔ گاؤں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ایک غیر ملکی مقصد کے لیے سپاہی مہیا کریں۔ بہت سے سپاہیوں کو جنگ کے لیے غیر ملکوں میں بھیجا گیا۔ جنگ کے بعد جو لوگ واپس آئے ان کی سمجھ میں یہ بات آ چکی تھی کہ سامراجی طاقتیں کس کس طرح ایشیا اور افریقہ کے لوگوں کا استحصال کر رہی ہیں۔ وہ یہ خواہش بھی ساتھ لائے کہ وہ ہندوستان میں نوآبادیاتی حکومت کی مخالفت کریں گے۔

انقلابی تشدد – سماج میں ایک انتہا پسندانہ تبدیلی لانے کے لیے تشدد کا استعمال

مجلس – ایک ایسی مقررہ یا منتخب تنظیم جو انتظامی یا مشاورتی کام انجام دیتی ہے یا جو نمائندگی کرتی ہے۔

سرگرمی

معلوم کیجیے کہ پہلی جنگ عظیم کن ملکوں کے درمیان لڑی گئی۔

مزید یہ کہ 1917 میں روس میں انقلاب آ گیا۔ کسانوں اور مزدوروں کی جدو جہد کے بارے میں خبریں اور سوشلزم کے نظریات وسیع پیمانے پر پھیل گئے۔ اس سے ہندوستانی قوم پرستوں کے جوش و خروش میں اضافہ ہوا۔

شکل 6 – نیٹل (Natal) کانگریس کے بانی، ڈربن، جنوبی افریقہ *1895*
مہاتما گاندھی نے 1895 میں دیگر ہندوستانیوں کے ساتھ مل کر نسلی امتیازات کا مقابلہ کرنے کے لیے نیٹل کانگریس کی بنیاد ڈالی تھی۔ کیا اس تصویر میں آپ گاندھی جی کو پہچان سکتے ہیں؟ گاندھی جی پچھلی قطار میں کھڑے ہیں۔ وہ کوٹ پہنے اور ٹائی باندھے ہوئے ہیں۔

مہاتما گاندھی کی آمد

انھیں حالات میں مہاتما گاندھی ایک عوامی رہنما کی حیثیت سے سامنے آئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ گاندھی جی 1915 میں 46 سال کی عمر میں جنوبی افریقہ سے ہندوستان آئے۔ جنوبی افریقہ میں گاندھی جی نسلی پابندیوں کے خلاف عدم تشدد کے اصول پر مظاہروں کی قیادت کر چکے تھے اور بین الاقوامی طور پر ایک محترم رہنما کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ انھوں نے جنوبی افریقہ میں جو مہمیں چلائی تھیں ان کی وجہ سے ان کا رابطہ مختلف قسم کے ہندوستانیوں سے ہو چکا تھا جن میں ہندو، مسلمان، پارسی اور عیسائی؛ گجراتی، تمل اور شمالی کے ہندوستان کے لوگ؛ اعلیٰ طبقے کے تاجر، وکلا اور مزدور شامل تھے۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد گاندھی جی نے پہلے سال تمام ملک کا دورہ کیا، لوگوں کو سمجھا اور ان کی ضرورتوں اور مجموعی حالت سے براہ راست واقفیت حاصل کی۔ ابتدا میں انھوں نے چمپارن، کھیڑا اور احمد آباد کی مقامی تحریکوں میں حصہ لیا۔ یہاں ان کا رابطہ راجندر پرشاد اور ولبھ بھائی پٹیل سے ہوا۔ احمد آباد میں انھوں نے 1918 میں مل مزدوروں کی ہڑتال کی کامیاب قیادت کی۔

آیئے 1919 اور 1922 کے درمیان چلائی گئیں بعض تحریکات کا تفصیلی ذکر کریں۔

رولٹ ستیہ گرہ

1919 میں گاندھی جی نے رولٹ ایکٹ کے خلاف ستیہ گرہ شروع کیا۔ یہ ایکٹ ابھی تازہ تازہ پاس ہوا تھا۔ اس قانون کے تحت بنیادی حقوق جیسے تقریر و تحریر کی آزادی پر پابندی عائد کر دی گئی تھی اور پولیس کے اختیارات کو بڑھا دیا گیا تھا۔ مہاتما گاندھی، محمد علی جناح اور دوسرے رہنماؤں نے یہ محسوس کیا کہ حکومت لوگوں کے بنیادی حقوق پر پابندی نہیں لگا سکتی۔ ان لوگوں نے اس قانون پر سخت تنقید کی اور اس کو شیطانی اور جابرانہ عمل بتایا۔ گاندھی جی نے ہندوستانیوں سے کہا کہ وہ 6 اپریل 1919 کو عدم تشدد کے ساتھ اس ایکٹ کی مخالفت کریں، اسے **''یوم توہین اور دعا''** کے طور پر منائیں اور ھڑتال کریں۔ تحریک کو ستیہ گرہ سبھاؤں سے شروع کیا گیا۔

اگرچہ رولٹ ستیہ گرہ زیادہ تر بڑے شہروں تک محدود تھا لیکن یہ برطانوی حکومت کے

شکل 7 - وہ احاطہ جس میں جنرل ڈائر نے لوگوں کی بھیڑ پر گولیاں چلائیں
لوگ دیواروں پر گولیوں کے نشانات کی طرف اشارے کر رہے ہیں۔

خلاف پہلی کل ہند جدو جہد بن گئی۔ اپریل 1919 میں ملک میں بہت سے مظاہرے اور ہڑتالیں ہوئیں جنھیں کچلنے کے لیے حکومت نے وحشیانہ طور طریقے اختیار کیے۔ جلیاں والا باغ کے ظلم و ستم جو بیساکھی کے دن (13 اپریل) امرتسر میں جنرل ڈائر نے ڈھائے وہ انھیں کا حصہ تھے جنھیں برطانوی حکومت نے تحریک کو دبانے کے لیے اختیار کیا تھا۔ جب اس قتل عام کا علم رابندر ناتھ ٹیگور کو ہوا تو انھوں نے اپنے **نائٹ ہڈ** (Knighthood) سے دست بردار ہو کر اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔

رولٹ ستیہ گرہ کے تمام شرکا کی یہی کوشش رہتی تھی کہ برطانوی راج کے خلاف لڑائی

سرگرمی

جلیاں والا باغ کے قتل عام کے بارے میں معلومات حاصل کیجیے۔ جلیاں والا باغ کیا ہے؟ وہاں کیا اور کیسے مظالم ڈھائے گئے؟

نائٹ ہڈ - کسی غیر معمولی شخصی کامیابی یا عوامی خدمت کے لیے تاج برطانیہ کی طرف سے دیا جانے والا اعزاز

میں ہندو مسلم اتحاد باقی رہے۔ یہی مہاتما گاندھی کی بھی نصیحت تھی۔ وہ ہندوستان کو ہندوؤں، مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے ان تمام لوگوں کا ملک مانتے تھے جو یہاں رہتے ہیں۔ ان کو اس بات سے بڑی دلچسپی تھی کہ ہندو اور مسلمان کسی بھی منصفانہ مقصد کے لیے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات

خلافت کا مسئلہ بھی ایک ایسا ہی معاملہ تھا۔ 1920 میں برطانیہ نے ترکی کے سلطان یا خلیفہ پر ایک سخت معاہدہ تھوپ دیا۔ جس طرح لوگ جلیاں والا باغ کے قتل عام پر غصے میں بھرے ہوئے تھے اسی طرح اس معاہدے سے بھی ناراض تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی دلچسپی یہ تھی کہ گزشتہ عثمانی سلطنت کی طرح تمام مسلم مقدس مقامات پر خلیفہ کا اختیار رہے۔ خلافت تحریک کے رہنما محمد علی اور شوکت علی اب ایک مکمل ترک موالات کی تحریک شروع کرنا چاہتے تھے۔ گاندھی جی نے ان کی اس مانگ کی حمایت کی اور انھوں نے کانگریس پر یہ زور ڈالا کہ وہ ''پنجاب کے مظالم'' (جلیاں والا قتل عام) اور خلافت کے معاملے میں ہوئے مظالم کے خلاف مہم چلائے اور سوراج کا مطالبہ کرے۔

1921 اور 1922 کے دوران تحریک ترک موالات نے بڑا زور پکڑا۔ ہزاروں طلبا نے سرکاری اسکولوں اور کالجوں کو چھوڑ دیا۔ بہت سے وکلا جیسے موتی لال نہرو، سی۔ آر۔ داس، سی۔ راج۔ گوپال آچاریہ اور آصف علی نے وکالت چھوڑ دی۔ برطانوی خطابات واپس کر دیے اور قانون ساز مجالس کا بائیکاٹ کیا۔ لوگوں نے غیر ملکی کپڑے کی ہولی جلائی۔ 1920 اور 1922 کے درمیان غیر ملکی کپڑے کی درآمد بہت کم ہوگئی۔ لیکن یہ سب کچھ برف کے تودے کی اوپری سطح کی طرح تھا جس کا زیادہ حصہ پانی میں چھپا ہوتا ہے۔ اب ملک کے بڑے حصے میں حالات ایک زبردست انقلاب کے لیے سازگار تھے۔

لوگوں کے اقدامات

بہت سے معاملات میں تو لوگوں نے عدم تشدد کے طریقے سے برطانوی حکومت کی مخالفت کی لیکن ایسے بھی معاملات پیش آئے کہ انھوں نے گاندھی جی کے نعرے کی اپنے انداز میں تشریح کی اور مظاہرے کیے جو گاندھی جی کے نظریات سے میل نہیں کھاتے تھے۔ بہر کیف صورت حال کچھ بھی ہو لوگوں نے اپنی تحریکات کو مقامی مسائل اور پریشانیوں سے جوڑ دیا۔ چند مثالیں دیکھیے:

ماخذ 3

اذیت کا ابدی اصول

اھنسا (عدم تشدد) سے گاندھی جی کا کیا مطلب تھا؟ اھنسا کس طرح اس جدوجہد کی بنیاد بن گئی؟ گاندھی جی نے کہا تھا:

> بدلے کی توقع کیے بغیر مسلسل اچھے کام کیے جانے سے عدم تشدد کا جنم ہوتا ہے...... یہ عدم تشدد کا سب سے قیمتی سبق ہے...... جنوبی افریقہ میں...... میں نے ناانصافی اور مظالم کو روکنے کے مقصد سے اذیت کے ابدی اصول کو بخوبی سمجھ لیا ہے اس کا واضح مفہوم ''عدم تشدد'' ہی ہے...... اس کے لیے آپ کو کسی بھی شخص کے ہاتھوں اذیت پانے کے لیے بخوشی تیار رہنا چاہیے اور آپ کسی کے لیے برا خیال نہیں رکھیں گے۔ یہاں تک کہ آپ کو اذیت پہنچانے والے کے لیے بھی نہیں۔

مہاتما گاندھی

12 مارچ 1938

گھیرا بندی – کسی عمارت یا دوکان وغیرہ کے باہر لوگوں کا مظاہرہ تاکہ کسی کو عمارت میں داخل نہ ہونے دیں

گجرات کے کھیڑا علاقے میں پاٹیدار کسانوں نے حکومت برطانیہ کے ذریعے لگائے گئے زیادہ لگان کے خلاف غیر تشدد آمیز مہم چلائیں۔ آندھرا کے ساحل اور تمل ناڈو کے اندرونی علاقوں میں شراب کی دوکانوں کی **گھیرابندی** (Picketed) کی گئی۔ آندھرا پردیش کے گنٹور ضلع میں قبائیلیوں اور غریب کسانوں نے بہت سی ''جنگلاتی ستیہ گرھیں'' چلائیں۔ کبھی کبھی انھوں نے اپنے مویشی فیس کی ادائیگی کے بغیر جنگلوں میں چھوڑ دیے۔ ان کے مظاہروں کی وجہ یہ تھی کہ نو آبادیاتی حکومت نے جنگلاتی وسائل کے استعمال پر مختلف پابندیاں لگا دی تھیں۔ لوگوں کو یقین تھا کہ گاندھی جی ان کے ٹیکسوں میں تخفیف اور جنگلاتی قوانین کا خاتمہ کرادیں گے۔ بہت سے گاؤں میں کسانوں نے سوراج کا اعلان کردیا اور ان کو یقین ہوگیا کہ '' گاندھی راج'' قائم ہونے والا ہے۔

سندھ میں (جواب پاکستان میں ہے) مسلمان تاجروں اور کسانوں میں خلافت تحریک کا بڑا جوش وخروش تھا۔ بنگال میں بھی تحریک ترک موالات کے سلسلے میں جو ہم آہنگی پیدا ہوگئی تھی اس سے فرقہ وارانہ اتحاد قائم ہوا اور قومی تحریک کو قوت ملی۔

پنجاب میں سکھوں کی اکالی تحریک ان بدعنوان **مہنتوں** کو اپنے گرودواروں سے ہٹانا چاہتی تھی جنھیں برطانوی حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی۔ یہ تحریک بھی تحریک ترکِ موالات سے بہت زیادہ ملتی جلتی تھی۔ آسام میں چائے باغات کے مزدور ''گاندھی جی مہاراج کی جے'' کے نعرے لگاتے اور اپنی مزدوری میں اضافے کی مانگ کرتے۔ انھوں نے انگریزوں کی ملکیت والے باغات میں کام کرنا چھوڑ دیا اور یہ اعلان کیا کہ وہ گاندھی جی کی خواہش پر ایسا کررہے ہیں۔ ایک دلچسپ بات یہ ہوئی کہ اس دور میں اسامی زبان کے ویشنو بھکتی کے گیتوں میں کرشن جی کے بجائے '' گاندھی راجا'' کا نام لیا جانے لگا۔

مہنت - سکھ گردواروں کے مذہبی منتظمین

غیر قانونی بے دخلی - کرایہ کی زمین سے غیر قانونی طور پر زبردستی کرایہ داروں کو ہٹا دینا

عوام کا مہاتما

مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں صاف نظر آتا ہے کہ لوگ گاندھی جی کو مسیحا خیال کرنے لگے تھے۔ ایسا مسیحا جو دکھوں اور افلاس سے نجات دلانے میں ان کی مدد کرسکتا تھا۔ گاندھی جی مختلف طبقوں میں اتحاد قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہ طبقاتی کشمکش کے مخالف تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسان یہ سمجھتے تھے کہ زمینداروں کے خلاف جنگ میں گاندھی جی ان کی حمایت کریں گے اور زرعی مزدوروں کو یہ یقین تھا کہ گاندھی جی ان کو زمین مہیا کرا دیں گے۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ معمولی لوگ اپنی کامیابیوں کا سہرا گاندھی جی کے سر باندھ دیتے۔

شکل 8 – گاندھی جی کی ہردلعزیز شخصیت کی پیش کش
عوام کے ذہن میں گاندھی جی کی تصویر ایک دیوتا جیسی تھی۔ اس تصویر میں گاندھی جی کرشن جی کا رتھ چلا رہے ہیں اور انگریزوں کے خلاف جنگ میں دیگر رہنماؤں کی رہنمائی کررہے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک طاقتور تحریک کے خاتمہ پر صوبۂ متحدہ (موجودہ اتر پردیش) میں پرتاپ گڑھ کے کسان، کرایہ داروں کی غیر قانونی بے دخلی کو روکنے میں کامیاب ہو گئے تو انھوں نے یہ سمجھا کہ ان کی یہ مانگ گاندھی جی نے منوائی ہے۔ ایسا بھی ہوا کہ گاندھی جی کا نام استعمال کر کے قبائلیوں اور کسانوں نے ایسے اقدامات بھی کیے جو گاندھی جی کے اصولوں کے مطابق نہیں تھے۔

ماخذ 4

''پرتاپ گڑھ میں انھوں نے ہی بے دخلی کو رکوایا ہے''

نیچے سی آئی ڈی کی ایک رپورٹ کا اقتباس دیا گیا ہے۔ یہ رپورٹ الہ آباد ضلع کی ایک کسان تحریک کے بارے میں ہے، جنوری 1921:

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کے نام کی شہرت دور دراز کے گاؤں میں بھی پھیل چکی ہے۔ بظاہر ایسا نہیں لگتا کہ کوئی یہ جانتا بھی ہے کہ وہ کون ہیں اور کیا ہیں۔ لیکن یہ بات مسلم ہے کہ جیسا وہ کہتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے اور وہ جو حکم دیتے ہیں اس پر عمل بھی ہوتا ہے۔ وہ ایک مہاتما یا سادھو ہیں، ایک پنڈت ہیں، ایک برہمن ہیں جو الہ آباد میں رہتے ہیں......... بلکہ وہ ایک دیوتا ہیں۔ ان کے نام کی طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے پرتاپ گڑھ میں بے دخلی (غیر قانونی انخلا) کو رکوایا.......... اصولی طور پر گاندھی جی کو حکومت کا نہیں زمینداروں کا مخالف سمجھا جاتا ہے........ ہم گاندھی جی اور حکومت کے حق میں ہیں۔

سرگرمی

ماخذ 4 کو پڑھیے۔
اس رپورٹ کے مطابق مہاتما گاندھی کو لوگ کیسا خیال کرتے تھے؟ آپ کے خیال میں وہ یہ کیوں سمجھتے تھے کہ وہ زمینداروں کے مخالف تھے اور حکومت کے مخالف نہ تھے۔ آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ وہ گاندھی جی کے حمایتی تھے۔

1922 - 1929 کے واقعات

جیسا کہ آپ کو علم ہے گاندھی جی پُرتشدد تحریک کے خلاف تھے۔ جب فروری 1922 میں چوری چورا کے پولیس اسٹیشن کو کسانوں کی ایک بھیڑ نے آگ لگا دی تو گاندھی جی نے تحریک ترک موالات کو فوراً واپس لے لیا۔ اس میں 22 پولیس والے مارے گئے تھے۔ پولیس نے چوں کہ کسانوں کے پُر امن مظاہرے پر فائرنگ کی تھی اس لیے لوگ مشتعل ہو گئے تھے اور انھوں نے پولیس اسٹیشن کو آگ لگا دی تھی۔

جب ترک موالات کی تحریک ختم ہو گئی تو گاندھی جی کے ماننے والوں نے یہ زور ڈالا کہ کانگریس دیہی علاقوں میں تعمیری کام شروع کرے۔ چترنجن داس اور موتی لال نہرو وغیرہ رہنماؤں نے یہ کہا کہ اب پارٹی کونسلوں کے انتخابات میں حصہ لے تاکہ حکومت کی پالیسیوں پر اثر انداز ہو سکے۔ 1920 کے وسط میں گاندھی وادیوں نے دیہی علاقوں میں پُر خلوص سماجی خدمات انجام دی تھیں جن کے نتیجے میں ایک ایسی اساس بن چکی تھی جہاں سے ان کو حمایت حاصل ہوتی۔ جب 1930 میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو یہ چیز بہت سود مند ثابت ہوئی۔

شکل 9 – چترنجن داس

چترنجن داس تحریک آزادی کی ایک بڑی شخصیت اور مشرقی بنگال کے ایک وکیل تھے۔ وہ خاص طور پر تحریک ترک موالات میں بہت سرگرم رہے۔

شکل 10 - سائمن کمیشن کی مخالفت کرتے ہوئے مظاہرین

1927 میں انگلینڈ کی برطانوی حکومت نے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے لارڈ سائمن کی سرکردگی میں ایک کمیشن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ کمیشن میں کوئی ہندوستانی نمائندہ نہیں تھا۔ ہندوستان میں اس فیصلے پر بڑا غصہ تھا۔ تمام سیاسی گروپوں نے کمیشن کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ جب کمیشن ہندوستان پہنچا تو اس کا مظاہروں سے استقبال ہوا۔ مظاہرین کا نعرہ تھا ''سائمن واپس جاؤ۔''

2019-20

ہندو تنظیم راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (RSS) اور کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی تشکیل 1920 کی دہائی کے دو اہم واقعات تھے۔ ہندوستان کس طرح کا ملک ہونا چاہیے۔ اس کے بارے میں ان دونوں پارٹیوں کے نظریات قطعاً مختلف تھے۔ اپنے استاد کی مدد سے ان کے خیالات جاننے کی کوشش کیجیے۔ انقلاب پسند قومی رہنما بھگت سنگھ بھی اس زمانے میں بہت سرگرم تھے۔

اس دہائی کے خاتمہ پر 1929 میں کانگریس نے جواہر لعل نہرو کی قیادت میں پورن سوراج (مکمل آزادی) کے حصول کی قرارداد پاس کی ساتھ ہی 26 جنوری 1930 کا دن تمام ملک میں یوم آزادی کے طور پر منایا گیا۔

''بہرے کانوں کو سنانے کے لیے دھماکے کی ضرورت ہوتی ہے۔
"انقلاب زندہ باد!"

انقلابی قومی رہنما جیسے بھگت سنگھ اور ان کے رفقا نوآبادیاتی حکومت اور استحصال پسند دولت مند طبقات کے خلاف لڑائی، مزدوروں اور کسانوں کے ذریعے لڑنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے 1928 میں دہلی کے فیروز شاہ کوٹلہ میں ہندوستان سوشلسٹ ریپبلیکن ایسوسی ایشن (HSRA) کی بنیاد ڈالی۔ اس ایسوسی ایشن کے ممبران نے ایک پولیس آفیسر سانڈرس (Saunders) کو مار ڈالا جس نے اس لاٹھی چارج کی قیادت کی تھی جس میں لالہ لاجپت رائے کی موت ہو گئی تھی۔

اپنے ساتھی قومی رہنما بی۔ کے۔ دت کے ساتھ انھوں نے 18 اپریل 1929 کو مرکزی قانون ساز اسمبلی پر بم پھینکا۔ جیسا کہ انھوں نے پرچے میں لکھا تھا ان کا مقصد مار ڈالنا نہیں تھا بلکہ بہروں کو سنانا اور بدیسی حکومت کو اس کے استحصال کا مزہ چکھانا تھا۔ بھگت سنگھ پر مقدمہ چلا اور 23 سال کی عمر میں ان کو پھانسی دے دی گئی۔

شکل *11* – بھگت سنگھ

ڈانڈی مارچ

پورن سوراج یعنی مکمل آزادی خود بخود نہیں مل سکتی تھی۔ اس کے لیے لڑنا ضروری تھا۔ 1930 میں گاندھی جی نے اعلان کیا کہ وہ نمک کا قانون توڑنے کے لیے ایک مارچ کی قیادت کریں گے۔ اس قانون کے تحت نمک بنانے اور بیچنے پر ریاست کی اجارہ داری تھی۔ مہاتما گاندھی اور دیگر قومی رہنماؤں نے یہ دلیل دی کہ نمک پر ٹیکس لگانا ایک مذموم عمل ہے کیوں کہ یہ تو ہمارے کھانے کا بہت اہم جزو ہے۔ اس نمک مارچ نے آزادی کی عمومی خواہش کو ایک ایسی خصوصی ضرورت سے جوڑ دیا جس میں ہر شخص شریک تھا اور اس طرح اس تحریک کو امیر و غریب کی تفریق سے بچا لیا۔

2019-20

گاندھی جی اور ان کے پیچھے چلنے والوں نے سابرمتی سے ساحلی شہر ڈانڈی تک 240 میل سے زیادہ کا مارچ کیا جہاں انھوں نے ساحل سمندر پر پائے جانے والے قدرتی نمک کو جمع کر کے اور سمندر کے پانی کو ابال کے نمک بنا کر حکومت کا قانون توڑا۔ اس ستیہ گرہ میں کسانوں، قبائلیوں اور عورتوں نے بڑی تعداد میں حصہ لیا۔ ایک تجارتی وفاق (Federation) نے نمک کے موضوع پر ایک پمفلیٹ شائع کیا۔ حکومت نے پرامن ستیہ گرہ کرنے والوں کے خلاف ظالمانہ کارروائی کے ذریعے اس تحریک کو کچلنے کی کوشش کی۔ ہزاروں لوگ جیل بھیج دیے گئے۔

1935 کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نے **صوبوں کی خود مختاری** کی بات مان لی اور حکومت نے 1937 میں صوبہ جاتی قانون ساز اداروں کے لیے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ہندوستانی لوگوں کی مشترکہ کوششیں بارآور ہوئیں۔

شکل 12 - قدرتی نمک کے ایک ڈلے کو اٹھا کر گاندھی جی نمک کا قانون توڑ رہے ہیں، ڈانڈی، 6 اپریل 1930

آزادی کی جدوجہد میں خواتین: کرناٹک کی امبابائی

قومی تحریک میں گوناگوں پس منظر رکھنے والی خواتین شریک ہوگئیں۔ جوان، بوڑھی، شادی شدہ، غیر شادی شدہ جن میں کچھ کا تعلق دیہی علاقوں سے تھا تو کچھ کا شہری علاقوں سے، کچھ قدامت پسند گھرانوں کی تھیں تو کچھ آزاد خیال خاندانوں سے۔ آزادی کی اس جدوجہد میں ان کی شرکت عورتوں کی تحریک کے لیے بھی اور ذاتی طور پر خود ان کے لیے بھی بہت اہم تھی۔

برطانوی اعلیٰ افسران اور ہندوستانی قوم پرستوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ عورتوں کی شرکت سے اس قومی جدوجہد کو بہت تقویت ملی ہے۔ تحریک آزادی میں شرکت ان کو گھروں سے باہر لے آئی۔ اس سے مختلف پیشوں اور حکومت میں ان کو مقام ملا اور مردوں کے ساتھ برابری کی راہ ان کے لیے ہموار ہوئی۔

عورتوں کے لیے اس شرکت کا کیا مطلب تھا یہ انھی کی کہانی سے بہتر طور پر سمجھ میں آئے گا۔ کرناٹک کی امبابائی کی شادی بارہ سال کی عمر میں ہوگئی تھی۔ وہ سولہ سال کی عمر میں ہی بیوہ ہوگئیں اور انھوں نے اوڈوپی میں غیر ملکی کپڑے اور شراب کی دوکانوں پر لوگوں کو جانے سے روکا۔ ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ سزا پوری ہونے کے بعد ان کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا وہ جب جب جیل سے باہر آئیں سیاسی تقریریں کرتیں، لوگوں کو سوت کاتنا سکھاتیں اور پربھات پھیریوں کا اہتمام کرتیں تھیں۔ امبابائی ان دنوں کو اپنی زندگی کے سب سے خوشگوار دن سمجھتی تھیں کیوں کہ ان سے ان کو ایک نیا مقصد اور نئی ذمہ داری نبھانے کا احساس ملا۔

بہرحال اس تحریک میں شرکت کرنے کے حق کے لیے عورتوں کو ایک لڑائی لڑنی پڑی مثال کے طور پر نمک ستیہ گرہ کے دوران شروع میں خود مہاتما گاندھی بھی عورتوں کی شرکت کے مخالف تھے۔ سروجنی نائیڈو نے گاندھی جی کو آمادہ کیا کہ وہ اس تحریک میں شرکت کے لیے عورتوں کو اجازت دے دیں۔

2019-20

ستمبر 1939 میں یعنی صوبوں میں کانگریس کی دو سالہ حکومت کے بعد دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ کانگریسی رہنماؤں نے ہٹلر کی مخالفت کرتے ہوئے برطانیہ کی جنگی کوششوں کی حمایت پر آمادگی ظاہر کی لیکن ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کیا کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان کو آزادی دی جائے۔ لیکن برطانیہ نے اس مطالبہ کو منظور نہ کیا۔ کانگریسی وزیروں نے احتجاجاً استعفے دے دیے۔

شکل 13 – سروجنی نائیڈو مہاتما گاندھی کے ساتھ، پیرس، *1931*

سروجنی نائیڈو 1920 کی دہائی کے اوائل سے قومی تحریک کی سرگرم کارکن رہیں۔ وہ ڈانڈی مارچ کی اہم رہنما تھیں۔ وہ ہندوستان کی پہلی خاتون تھیں جو انڈین نیشنل کانگریس کی صدر بنیں (1925)۔

ماخذ 5

ویر لکھن نائیک کو پھانسی دی گئی

نبرنگ پور کانگریس، اڑیسہ کے صدر باجی محمد 1930 کی دہائی میں رپورٹ لکھتے ہیں:

> 25 اگست 1942 کو..... نبرنگ پور کے پپر ندی مقام پر پولیس فائرنگ کے نتیجے میں 19 آدمی موقع پر ہی مر گئے۔ بہت سے لوگ بعد میں زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسے۔ ایک ہزار سے زائد کو راپٹ جیل بھیجے گئے۔ بہت سے لوگوں کو گولی مار دی گئی یا پھانسی دیدی گئی۔ ویر لکھن نائیک (ایک مشہور قبائلی رہنما جس نے برطانیہ کے سامنے سر خم نہ کیا) کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔

باجی نے لکھا ہے کہ نائیک اپنی پھانسی سے ذرا بھی پریشان نہ تھا۔ وہ صرف اس بات سے دکھی تھا کہ وہ صبح آزادی کو دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہے گا۔

باجی محمد نے قومی جدوجہد میں شرکت کے لیے بیس ہزار لوگ اکٹھا کیے۔ اس نے بار بار ستیہ گرہ کیا۔ اس نے دوسری جنگ عظیم کے خلاف اور ہندوستان چھوڑ تحریک کی حمایت میں مظاہروں میں شرکت کی اور لمبی مدت جیل میں گزاری۔

''ہندوستان چھوڑو تحریک'' اور اس کے بعد

مہاتما گاندھی نے دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانیہ کے خلاف تحریک کا ایک نیا مرحلہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ برطانیہ فوراً ہندوستان چھوڑ دے۔ انھوں نے برطانیہ کے خلاف اس جنگ میں ہندوستانیوں سے ''کرو یا مرو'' کا راستہ اختیار کرنے کو

صوبائی خود مختاری – ایک وفاق میں رہتے ہوئے صوبوں کو نسبتاً آزاد فیصلے لینے کی صلاحیت

شکل 14 – ہندوستان چھوڑو تحریک ، اگست 1942
مظاہرین ہر جگہ پولیس سے بھڑ گئے۔ ہزاروں لوگ گرفتار ہوئے۔ ایک ہزار سے زائد مارے گئے۔ بڑی تعداد میں لوگ زخمی ہوئے۔

کہا لیکن ساتھ ہی انھوں نے کہا کہ اس جنگ میں تشدد سے پرہیز ضروری ہے۔ گاندھی جی اور دیگر رہنماؤں کو فوراً ہی جیل بھیج دیا گیا لیکن تحریک پھیل گئی۔ تمام ملک میں ذرائع ترسیل اور ریاستی اقتدار اعلیٰ کی علامتوں پر حملے کیے گئے۔

سخت قسم کا جبر و تشدد برطانوی حکومت کا پہلا ردعمل تھا۔ 1943 کے ختم ہونے تک 90,000 لوگ گرفتار کیے گئے اور تقریباً 1000 لوگ پولیس فائرنگ میں مارے گئے۔ بہت سی جگہوں پر یہ حکم دیا گیا کہ ہوائی جہازوں سے بھیڑ پر مشین گن چلائی جائے۔ بہر حال باغیوں نے بالآخر ''حکومت'' کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔

آزادی اور تقسیم

اسی دوران 1940 میں مسلم لیگ نے ایک قرارداد منظور کر کے ملک کے شمال مغربی اور مشرقی علاقوں میں مسلمانوں کے لیے ''آزاد ریاستیں'' بنانے کا مطالبہ کیا۔ اس قرارداد میں تقسیم یا پاکستان کا کوئی ذکر نہ تھا۔ لیگ نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے خود مختار حکومت کا کیوں مطالبہ کیا؟

1930 کی دہائی کے اواخر سے ہی لیگ نے مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ ایک ''قوم'' کی حیثیت سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ 1920 اور 1930 کی دہائیوں میں کچھ ہندو اور مسلمان گروہوں کے درمیان تناؤ کی تاریخ نے شاید اس خیال کو پختہ کرنے میں اثر ڈالا ہو۔ ایسا لگتا ہے کہ 1937 کے انتخابات سے مسلم لیگ اس نتیجے پر پہونچی کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں اور وہ کسی بھی جمہوری نظام میں ثانوی حیثیت میں ہی رہیں گے۔ اس کو یہ

بوس اور آئی این اے

شکل 15 – سبھاش چندر بوس

سبھاش چندر بوس ایک کٹر قوم پرست رہنما تھے۔ ان کا جھکاؤ سوشلسٹ نظریات کی طرف تھا۔ وہ اگرچہ گاندھی جی کا احترام کرتے تھے اور ان کو ''بابائے قوم'' (راشٹر پتا) سمجھتے تھے لیکن وہ اہنسا کے نظریہ سے متفق نہ تھے۔ جنوری 1941 میں انھوں نے خفیہ طور پر اپنا کلکتے کا گھر چھوڑ دیا اور جرمنی کے راستے سنگاپور چلے گئے اور ہندوستان کو برطانیہ سے آزاد کرانے کے لیے آزاد ہند فوج (INA) بنائی۔ 1944 میں امپھال اور کوہیما کے راستے ہندوستان پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن یہ مہم ناکام رہی۔ آزاد ہند فوج کے ممبران جیل بھیج دیے گئے۔ تمام ہندوستان کے لوگوں نے چاہے وہ کسی بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھتے ہوں آزاد ہند فوج پر چلنے والے مقدمات کے خلاف تحریک میں حصہ لیا۔

2019-20

شکل 16 – مولانا آزاد کانگریس ورکنگ کمیٹی کے دیگر ممبران کے ساتھ، سیوا گرام، *1942*

مولانا آزاد مکہ شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد بنگال کے اور والدہ عرب کی رہنے والی تھیں۔ آزاد بہت سی زبانوں کے ماہر اور اسلام کے زبردست محقق تھے۔ مولانا وحدت ادیان کے بڑے حامی تھے۔ وہ گاندھی جی کی تحریکات میں شریک رہے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے طرفدار اور جناح کے دوقومی نظریے کے مخالف تھے۔

شکل 17 – گاندھی جناح مذاکرات سے پہلے چکرورتی راج گوپال آچاری گاندھی جی سے باتیں کرتے ہوئے، *1944*

راج گوپال آچاری جنوبی ہندوستان میں نمک ستیہ گرہ کے رہنما اور ایک جہاں دیدہ قوم پرست تھے۔ وہ راجہ جی کے نام سے مشہور تھے۔ وہ 1946 کی عبوری حکومت کے ایک ممبر اور آزاد ہندوستان کے پہلے ہندوستانی گورنر جنرل رہے۔

شکل 18 – *1945-47* کے دوران سردار ولبھ بھائی پٹیل نے آزادی کے لیے مذاکرات میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔

پٹیل گجرات میں نادیاڈ کے ایک غریب کسان گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ 1918 سے ہی وہ تحریک آزادی کے پیش رو رہنماؤں میں سے رہے اور 1931 میں کانگریس کے صدر بنے۔

شکل 19 – مہاتما گاندھی کے ساتھ محمد علی جناح، بمبئی *1944*

جناح 1920 تک ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار رہے۔ لکھنؤ معاہدہ کی تشکیل میں انھوں نے اہم کردار ادا کیا۔ 1934 کے بعد انھوں نے مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کی اور مطالبۂ پاکستان کے سب سے اہم ترجمان بن گئے۔

شکل 20 -کانگریس کے بمبئی اجلاس ، سے پہلے جواہر لال نہرو مہاتما گاندھی کی بات سنتے ہوئے، جولائی *1946*

پنڈت نہرو گاندھی جی کے مقلد، کانگریسی سوشلسٹ ، قومی تحریک کے ممتاز رہنما اور آزاد ہندوستان کی سیاست و معیشت کے معمار تھے۔

''عام'' انتخابی حلقے - وہ انتخابی اضلاع جن میں کسی مذہبی یا دیگر فرقے کے لیے کوئی ریزرویشن نہ ہو۔

بھی خطرہ محسوس ہوا کہ ممکن ہے اس کو نمائندگی نہ مل پائے۔ 1937 میں صوبہ جات متحدہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کی مشترکہ حکومت بنانے کی لیگ کی خواہش کو چوں کہ کانگریس نے مسترد کر دیا تھا اس لیے لیگ اس سے بھی دل برداشتہ تھی۔

1930 کی دہائی میں کانگریس مسلم رائے عامہ کو ہموار کرنے میں ناکام رہی۔ اس سے بھی لیگ کو اپنی سماجی مقبولیت کا دائرہ وسیع کرنے میں مدد ملی۔ 1940 کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں جب زیادہ تر کانگریسی رہنما جیلوں میں تھے تو لیگ کو عوام کی حمایت حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ 1945 میں جنگ کے خاتمہ کے بعد برطانیہ نے ہندوستان کی آزادی کے لیے کانگریس اور لیگ کے ساتھ مذاکرات شروع کیے۔ یہ مذاکرات ناکام ہو گئے کیوں کہ لیگ خود کو مسلمانوں کا تنہا ترجمان سمجھتی تھی۔ کانگریس اس دعوے کو قبول نہیں کر سکتی تھی کیوں کہ بہت سے مسلمان اب بھی کانگریس کی حمایت کرتے تھے۔

1946 میں دوبارہ صوبائی الیکشن ہوئے۔ **''جنرل'' انتخابی حلقوں** میں کانگریس کی کارکردگی بہت اچھی رہی۔ لیکن مسلمانوں کے لیے مخصوص سیٹوں پر لیگ کی کامیابی بہت شاندار تھی۔ لیگ ''پاکستان'' کے لیے اپنے مطالبے پر جمی رہی۔ مارچ 1946 میں برطانوی کابینہ نے اس مطالبہ کا جائزہ لینے اور آزاد ہندوستان کے لیے ایک مناسب سیاسی سانچہ تجویز کرنے کے لیے ایک سہ نفری مشن دہلی بھیجا۔ اس مشن نے یہ تجویز کیا کہ ہندوستان متحد رہنا چاہیے اور ایک ایسا لچکدار وفاق بننا چاہیے جس میں مسلم اکثریت والے علاقوں کے لیے کچھ خود مختاری بھی ہو۔ لیکن اس تجویز کی تفصیلات پر کانگریس اور لیگ کے درمیان کوئی اتفاق رائے نہ بن سکا۔ اب تقسیم کم وبیش ناگزیر بن گئی۔

شکل *21* – شمال مغربی سرحد صوبہ کے پختون رہنما خان عبدالغفار خان ایک پر امن مارچ کے دوران اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھار میں، مارچ *1947*

خان عبدالغفار خان جنھیں بادشاہ خان کے نام سے بھی جانا جاتا ہے خدائی خدمتگار تحریک کے بانی تھے۔ یہ ان کے صوبے کے پٹھانوں کی بڑی طاقتور اور عدم تشدد کی حامی تحریک تھی۔ بادشاہ خان تقسیم ہند کے سخت مخالفین میں سے تھے۔ 1947 میں تقسیم کی حمایت کے کانگریس کے فیصلے پر انھوں نے اپنے کانگریسی ساتھیوں پر سخت تنقید کی تھی۔

کیبنٹ مشن کے ناکام ہوجانے کے بعد لیگ نے اپنے پاکستان کے مطالبے کے حق میں عوامی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے 16 اگست 1946 کو ''یوم راست اقدام'' (Direct Action Day) کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا۔ اس دن کلکتے میں فسادات پھوٹ پڑے جو کئی دن چلے اور جن میں ہزاروں لوگوں کی جانیں گئیں۔ مارچ 1947 تک آتے آتے شمالی ہندوستان کے مختلف حصوں میں تشدد پھیل گیا۔

شکل 22 – فساد زدہ پنجاب کے پناہ گزیں نئی دلی میں، کھانے اور پناہ گاہ کی تلاش میں

تقسیم کے دوران ہزار ہا ہزار لوگ مارے گئے اور کتنی ہی عورتوں کو ناگفتہ بہ جور و تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ لاکھوں لوگوں کو اپنا وطن چھوڑ کے بھاگنا پڑا جو اجنبی سرزمین میں جا کر پناہ گزیں بن کے رہ گئے۔ تقسیم کا مطلب یہ بھی تھا کہ ہندوستان بدل گیا، اس کے بہت سے شہر بدل گئے اور ملک پاکستان وجود میں آ گیا۔ برطانوی راج سے ملک کی آزادی کی خوشی میں تقسیم کا درد اور اس کا تشدد بھی شامل ہو گیا۔

دوسری جگہوں پر

افریقہ میں قوم پرستی: گھانا کی صورت حال

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں بہت سے افرو ایشیائی ملکوں میں قوم پرستی کا عروج ہوا۔ ان میں سے اکثر ملکوں میں قوم پرستی آزادی کے لیے ایک نوآبادیات مخالف جدوجہد کی شکل میں ابھری۔ افریقہ میں نوآبادیاتی حکومت بہت آمرانہ تھی۔

غیر ملکی طاقتوں کے قائم مقام کے طور پر صرف ''سرداروں'' (Chiefs) کو حکومت کرنے کی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ افریقیوں پر لاگو ہونے والے تمام قوانین سفید فاموں کی قانون ساز مجلسوں میں بنتے تھے۔ افریقیوں کو فیصلہ لینے کا کوئی اختیار نہ تھا اور نہ ہی اس معاملے میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ تک ان کو کوئی نمائندگی حاصل تھی۔ مقامی مالکان سے زمین چھین کر ان پر قبضے، بھاری بھرکم ٹیکس اور کام کاج کے لیے سخت نامناسب ماحول افریقیوں کے احتجاج کا باعث بنے۔

1957 میں صحرا کے خطے کا گھانا وہ پہلا افریقی ملک تھا جسے آزادی ملی۔ اس وقت تک گھانا گولڈ کوسٹ کہلاتا تھا۔ کوامے نکرومہ (Kwame Nkrumah) کی کنونشن پیپلز پارٹی نے ہڑتال، بائیکاٹ اور عوامی مظاہروں کے ذریعے تحریک آزادی کی قیادت کی تھی۔ 1951 میں اس پارٹی کو الیکشن میں زبردست فتح حاصل ہوئی۔ اس پارٹی نے اس نظام کی سخت مخالفت کی جس کے تحت برطانوی حکمرانوں نے سرداروں (Chiefs) کو قانون ساز اداروں میں نمائندے نامزد کرنے کا اختیار دے رکھا تھا۔ پارٹی نے برطانیہ پر زور ڈالا کہ ایسی مقنّنہ منظور کی جائے جس میں نہ نامزد ممبر ہوں اور نہ خصوصی ممبران۔ یہ مطالبہ 1954 میں منظور ہو گیا۔ نئی قانون ساز کونسل کے لیے 1956 میں انتخابات ہوئے۔ ان میں کنونشن پیپلز پارٹی کی جیت ہوئی اور ''گھانا'' کے نام سے ایک نئی آزاد مملکت کے اعلان کا راستہ صاف ہو گیا۔

تصور کیجیے!

تصور کیجیے کہ آپ قومی تحریک آزادی کے سرگرم رکن ہیں۔ اس باب کو پڑھنے کے بعد آپ جدوجہد کے لیے کون کون سے طریقے اختیار کرتے اور آپ کس طرح ہندوستان کو آزاد کراتے، مختصر طور پر بیان کیجیے۔

دوہرائیے

1۔ 1870 اور 1880 کی دہائیوں میں لوگ برطانوی راج سے کیوں غیر مطمئن تھے؟

2۔ انڈین نیشنل کانگریس کس کے لیے آواز اٹھانا چاہتی تھی؟

3۔ ہندوستان پر پہلی جنگ عظیم کے کیا اقتصادی اثرات پڑے؟

4۔ مسلم لیگ کی 1940 کی قرارداد میں کس چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا؟

گفتگو کیجیے

4۔ مسلم لیگ کی 1940 کی قرارداد میں کس چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا؟

5۔ اعتدال پسند کون تھے؟ انھوں نے برطانوی راج کے خلاف کس طرح کی جدوجہد کی تجویز کی؟

6۔ کانگریس کے انتہا پسندوں اور اعتدال پسندوں کی سیاست میں کیا فرق تھا؟

7۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں تحریک ترک موالات نے کیا کیا شکلیں اختیار کیں؟ لوگوں نے گاندھی جی کو کس طرح سمجھا؟

8۔ گاندھی جی نے نمک کے قانون کو توڑنے کی بات کیوں سوچی؟

9۔ 47-1937 کے دوران پیش آنے والے ان واقعات اور حالات پر بحث کیجیے جن کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا۔

کر کے دیکھیے

10۔ پتہ لگائیے کہ آپ کے شہر، آپ کے ضلع، علاقے یا ریاست میں قومی تحریک کس طرح چلائی گئی۔ کس کس نے اس میں شرکت کی اور کس نے قیادت کی؟ آپ کے علاقے میں اس تحریک کو کیا کامیابی ملی؟

11۔ قومی تحریک کے دو رہنماؤں یا اس تحریک کے لیے دو اہم کام کرنے والوں کی حیات اور کارناموں کے بارے میں معلومات حاصل کیجیے اور ان کے بارے میں ایک مختصر مضمون لکھیے۔ آپ کسی ایسی شخصیت کا انتخاب بھی کر سکتے ہیں جن کا ذکر اس باب میں نہیں ہوا ہے۔